(سید صادق علی) چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی (اجتہادی)

ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی، کراچی پاکستان

حالاتِ زندگی

سیّد صادق علی نام، چھنگا صاحب عرفیت اور حسینؔ تخلص تھا۔ اُن کے والد میر حسن بن سیّد سجاد حسین رئیس جائس (ضلع رائے بریلی) تھے۔ حسینؔ لکھنوی کا ننھیالی سلسلۂ نسب خاندانِ اجتہاد سے ملتا ہے۔ اُن کی والدہ باقری بیگم سلطان العلما مولانا سیّد محمد رضوان مآب کے فرزند مولوی محمد صادق کی نواسی تھیں۔ اسی عالی نسب نقوی خاندان میں ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء میں حسینؔ لکھنوی جوہری محلہ، سبزی منڈی، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ (اس برس لکھنؤ میں میر انیسؔ کا انتقال ہوا)

سات آٹھ برس تک کربلائے معلّیٰ (عراق) میں قیام رہا۔ وہاں عربی اور فارسی بولنے لگے تھے۔ بارہ برس کی عمر میں لکھنؤ واپس آئے تو لکھنے پڑھنے کے بجائے دیگر مشغلوں کی طرف راغب ہوگئے، مُرغ بازی، کبوتر بازی اور پتنگ بازی کے شوق میں پڑ گئے اس لیے بالکل اَن پڑھ رہ گئے یہاں تک کہ اپنا نام بھی نہ لکھ سکتے تھے چونکہ قدرت نے شعر و شاعری کا فطری ذوق عطا کیا تھا اس کے علاوہ ننھیال میں علمی و ادبی ماحول موجود تھا اس لیے شاعری کرنے لگے۔ اپنے بہنوئی سیّد بندہ کاظم جاویدؔ لکھنوی کے شاگرد ہوگئے۔ چھنگا صاحب حسینؔ کی ہمشیرہ عابدہ بیگم کی شادی جاویدؔ لکھنوی سے ہوئی تھی۔ بعد میں میر علی محمد عارفؔ لکھنوی کے پاس بغرضِ اصلاح جانے لگے۔ دو استادوں کی شفقت اور اپنی طبیعت داری کی بدولت غزل اور مرثیہ دونوں میں مہارت حاصل ہوگئی ان کی غزل کے ایک شعر سے زورِ طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

کھینچا ہے جو ناوک تو سرک جاؤ ادھر سے
اب خون نہیں آگ نکلتی ہے جگر سے

غزلیں بہت کہیں اور خوب کہیں ہیں لیکن مرثیہ کہنا غزل سے کہیں زیادہ مشکل تھا مگر مرثیے بھی ایسے کہے کہ جب لوگ خود سنتے تھے تو بے حد محظوظ ہوتے تھے اور آج بھی ان کا مطالعہ تعجب، دلچسپی اور حصولِ ثواب سے خالی نہیں۔

چھنگا صاحب حسینؔ کی شادی مولانا مہدی حسین ماہرؔ کی دختر طیبہ بیگم سے ہوئی تھی۔ طیبہ بیگم شاعرہ تھیں اُن کے نوحوں کی بیاض شائع ہوچکی ہے۔

مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

''حسینؔ لکھنوی، مہدی حسینؔ ماہر لکھنوی کے داماد تھے، ماہرؔ خود مرثیہ گوئی کے دلدادہ تھے لہٰذا ممکن ہے کہ اس رشتے کے سبب سے حسینؔ لکھنوی کی طبیعت مرثیہ گوئی کی طرف اور زیادہ مائل ہوگئی ہو۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ وہ ایک اچھے مرثیہ گو تھے۔ اپنا کلام خود ہی پڑھتے بھی تھے، ایک شخص منبر کے پاس کھڑے ہوکر جو مرثیہ حسینؔ لکھنوی کے ہاتھ میں ہوتا اس میں دیکھ دیکھ کر ہر بند کا پہلا مصرع اشارتاً چپکے سے بتا دیا کرتا تھا اور یوں ہی پورا مرثیہ حافظے کی غیر معمولی قوت سے تمام کیا جاتا تھا''۔

(اذکارِ محن صفحہ ۳۸، ۳۹)

حسینؔ لکھنوی سولہ برس کے سن میں ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں شاعری کی طرف متوجہ ہوئے، آغازِ شاعری میں سب سے پہلے ایک نوحہ کہا پھر غزلیں کہنا شروع کیں پھر مرثیہ کہنا شروع کیا۔ لکھنؤ کی علمی و ادبی فضا میں مرثیے کی مجلسوں کا عروج تھا

حسینؔ لکھنوی کے فطری فن کو خوب ترقی کرنے کا موقع ہاتھ لگا۔ لکھنؤ اور بیرونِ لکھنؤ بے شمار مجلسیں پڑھیں، مرثیے مشہور ہوئے مشقِ سخن بڑھنے لگی، اچھی بندشوں کے مرثیے کہے، میر انیسؔ کے پوتے سیّد خورشید حسن عرف دولھا صاحب عروجؔ اُنھیں ''فخر ہندوستان'' کہتے تھے۔ حسینؔ لکھنوی اپنی آخری عمر میں اپنے وطن جائس گئے تھے اور متعدد مجلسیں پڑھیں تھیں زندگی کے آخری چند سال بڑی تنگدستی میں گزارے۔

مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

حسینؔ لکھنوی کی کچھ مختصر پنشن تھی اور وہی اُن کا ذریعۂ معاش تھی، کم آمدنی پر بھی نہایت خودداری کے ساتھ بسر کرتے تھے، اُن کے ایک چھوٹے بھائی سیّد مجاور حسین تمنّاؔ لکھنوی تھے جو نہایت خوبیوں کے بزرگ اور صاحبِ معلومات شاعر تھے۔

(اذکارِ محن ۳۹)

دوسرے بھائی قاسم حسین قسیمؔ لکھنوی تھے۔ حسینؔ لکھنوی کی اولاد میں صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی یوسف آرا بیگم ماہرہؔ لکھنوی کراچی پاکستان آ گئی تھیں، اکثر رضویہ سوسائٹی میں ہمارے گھر پر والدہ مرحومہ سے ملاقات کے لیے آتی رہتی تھیں انھوں نے اپنے نوحوں کی بیاض ''بیاضِ ماہرہؔ'' کے نام سے چھپوائی تھی جو والدہ مرحومہ کو عنایت فرمائی تھی جواب تک ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ بابو صاحب فائقؔ کے صاحبزادے سیّد اصغر حسین مرحوم کے گھر پر بھی ایک مرتبہ مرحومہ تشریف لائی تھیں، اُن سے چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی کی زندگی اور شاعری پر گفتگو ہوئی تھی۔

دوسری صاحبزادی عصمت آرا عصمتؔ لکھنوی تھیں۔ اُن کے نوحوں کی ایک بیاض ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی کی سکونت محلہ پاٹا نالہ لکھنؤ میں تھی۔ ۱۴؍ربیع الاوّل ۱۳۵۱ھ بروز پیر (دوشنبہ) ۱۸؍جولائی ۱۹۳۲ء کو چوہتر (۷۴ برس) سال کی عمر میں چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی کی وفات ہوئی، امام باڑۂ غفرانمآب کے صحن میں مدفون ہوئے۔

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی کے چھوٹے بھائی سیّد مجاور حسین تمنّاؔ کا منظوم رقعہ پیش کیا جا رہا ہے:-

اُمّی لقب شاعر کا ماتم

ازل سے ہوا ایسا دشمن فلک
کہ دیکھی نہ میں نے خوشی آج تک
نہ بر آئی دنیا میں حسرت کوئی
نہ پائی کبھی آہ راحت کوئی
ہوئی نازل ایسی بلا پر بلا
کہ موقع نہ آہوں کا بھی مل سکا
جو اک درد دل کا گھٹا بھی کبھی
تو فوراً اذیت بڑھی دوسری
گئے دہر سے اس طرح سب شفیق
نہیں سر پہ باقی کوئی اب شفیق
غرض یہ تو باتیں پرانی تھی سب
وہ غم قہر ہے جس کی باری ہے اب
تھا اک دم جو باقی بڑے بھائی کا
فلک نے اسے بھی نہ رہنے دیا
یہ روز سیہ اب دکھایا مجھے
کہ ان سے بھی آخر چھڑایا مجھے
لہو دل کا آنکھوں سے سب بہہ گیا
میں ہی میں فقط گھر میں اب رہ گیا
چھری جن کے غم کی یہ دل پر چلی
تھا اک نام تو ان کا صادق علی
اور اس کے سوا دوسرا تھا جو نام
ہیں آگاہ اس سے سبھی خاص و عام
انہیں یعنی چھنگا بھی کہتے تھے سب
حسینؔ تو تخلص تھا اُمّی لقب
تھے ان پڑھ مگر اس قدر باکمال
کہ ملتی نہیں آج ان کی مثال

مجھے ذات پر ان کی تھا ناز بھی
وہ تھے شاعری میں سرافراز بھی
کہے مرثیئے اس قدر لاجواب
کہ تا حشر جن کا نہ ہوگا جواب
نہ مغرور تھے اور نہ شہرت پسند
فقط طبع تھی ان کی جدت پسند
تھی خوشگوئی بھی بردباری بھی تھی
سخن سے عیاں پختہ کاری بھی تھی
ہے بیتوں میں ان کی یہ ربط آج تک
کہ موتی کی لڑیوں کا ہوتا ہے شک
نئے لاکھوں ملتے تھے پہلو انہیں
مضامین نو پر تھا قابو انہیں
خدا کی طرف سے یہ تھا مرتبہ
کہ ہر بند ان کا تھا اک معجزہ
غرض شب کو اٹھارہ جولائی کی
جفا ایک گردوں کی یہ بھی ہوئی
کہ تنہا مجھے چھوڑ کر وہ یہاں
گئے خود سوئے قصر باغ جناں

تمنّاؔ کے اعتراف کے علاوہ مہرؔ جائسی نے اپنے ایک مرثیہ:- ''مدح خوان خلف سیدلولاک ہوں میں'' میں حسینؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں بھرپور خراج عقیدت پیش کیا ہے:-

تھے مرے عمّ سخن سنج تمنّاؔ و حسینؔ
مرثیے جن کے ہیں صد لائق مدح و تحسیں
عم و خال و اب و جد ذاکر مولا تھے یہیں
میں بھی آ پہنچا ہوں اب منزل آخر کے قریں
میرے ما بعد جو سوچیں گے کہ وہ کیسا تھا
یہی اشعار بتائیں گے کہ مہرؔ ایسا تھا

تھے حسینؔ اپنے زمانے کے رشید اور وحید
ایسا خلاق مضامیں کہ نہ دید اور نہ شنید
عارف فن خلف میر حسن فرد فرید
خال جاویدؔ سا استاد بعینہٖ خورشیدؔ
مدح میں راہ رو راہِ صواب آپ ہوئے
مرثیہ گوئی میں خود اپنا جواب آپ ہوئے

مہرؔ کے ان دو بندوں سے مترشح ہوتا ہے کہ حسینؔ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ ان بندوں کے ذریعہ مہرؔ نے انہیں رشیدؔ اور وحیدؔ کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام میر حسن تھا اور ان کے استاد جاویدؔ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا اعتراف بھی ہے کہ آپ نئے نئے مضامین پیش فرماتے اور مرثیہ گوئی میں آپ کا جواب نہیں تھا۔ (بحوالہ خاندانِ اجتہاد نمبر۔۔۔دسمبر ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۱۳)

غزل گو کی حیثیت سے ان کا شمار لکھنؤ کے خوشگو شعرا میں ہوتا تھا۔ ''زود گوئی کا یہ عالم تھا کہ بیس پچیس شعروں کی غزلیں اپنے شاگردوں کو تحریر کرا کے اُنھیں بخش دیتے جو وہ مقامی مشاعروں میں پڑھ کر داد تحسین وصول کرتے تھے''۔ (اُردو کے اُمی شعرا صفحہ ۱۱۸)

اُن کی غزلوں کے چند شعر اُن کی غزل کے رنگ کو ظاہر کرتے ہیں:-

وقتِ زینت دور رکھا کر ستم گر آئینہ
حُسن عالم سوز سے چٹکا ہے اکثر آئینہ
پہلے دیکھی شکل اپنی پھر یہ بولا وہ حَسیں
میری آنکھیں کشتیاں ہیں اور سمندر آئینہ

کلیجہ تھامے عاشق اور مضطر ہو کے نکلیں گے
جو اپنے گھر سے وہ خورشید خاور ہو کے نکلیں گے
کُھلا رہنے دو منھ میرا کفن سے کیوں چھپاتے ہو
سُنا ہے وہ جنازے کے برابر ہو کے نکلیں گے

زخم کھولے ہیں اگر آنکھ تو بیزار نہ ہو
یہ نئی ضد کہ کوئی طالبِ دیدار نہ ہو
حال قیدی کا نہ ہو دیکھنے والا کوئی
آنکھ کھولے ہوے گر روزنِ دیوار نہ ہو
دم نکلتا ہے مرا کچھ نہیں وسواس کی جا
اے حسینؔ پاس وہ آجائیں تو انکار نہ ہو

رات دن ہم دیکھتے ہیں باغِ عالم کی بہار
شب کو تارے صبح کو خورشیدِ خاور پھول ہے
میرے آنسو کی دورنگی دیکھ کر کہتے ہیں (سب)
آنکھ میں موتی ہے اور دامن میں گر کر پھول ہے

غزل گو سے زیادہ اصل میں حسینؔ لکھنوی مرثیہ نگار تھے اس لیے زیادہ زمانہ مرثیہ گوئی کے لیے وقف رہا۔ انھوں نے اردو کی طرح فارسی میں بھی شاعری کی ہے۔ اُن کا ایک فارسی نوحہ لکھنؤ میں بہت مشہور ہوا جس کا مطلع یہ تھا:-

داد ہاتف ایں ندا باصد بکا در کربلا
آہ ! کشتہ شد غریب کربلا در کربلا

حسینؔ لکھنوی نہایت خوش لحن بھی تھے۔ آواز میں سوز تھا۔ اکثر اپنے کہے ہوئے نوحے خود بھی پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے مشورہ دیا کہ رام پور تشریف لے جایئے نواب رام پور علم و ادب کے قدردان ہیں۔ یہ نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے نوحہ پڑھنے کی فرمائش کر دی، حسینؔ لکھنوی نے اپنا کہا ہوا فریادی نوحہ سنایا:-

اے گُل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ، فریاد کو پہنچو
یا حیدر کرارؔ ہر آفت سے بچاؤ، فریاد کو پہنچو

بقول مہذبؔ لکھنوی نواب رام پور نے کبھی فریادی نوحہ سُنا ہی نہیں تھا، اتنا گریہ طاری ہوا کہ ہچکیاں بندھ گئیں، فوراً حکم دیا کہ نوحہ خوان کی حیثیت سے اِن کا تقرر کر لیا جائے، دوسرے دن صبح کو چھنگا صاحب حسینؔ ریل گاڑی پر بیٹھے اور لکھنؤ روانہ ہوگئے وہ تو مرثیہ گو کی حیثیت سے رہنا چاہتے تھے۔

فدا علی خنجر لکھنوی نے اپنے مضمون ''اَن پڑھ شعرا'' میں لکھا ہے کہ:-

''حسینؔ لکھنوی کا دل بہر کیف ذوق مرثیہ گوئی کی جانب مائل رہا۔ ان کے مرثیوں نے قبول عام کی سند حاصل کر لی تھی جو آج تک سوزخوانوں کی زبانوں پر ہیں، ایک مرثیے کا مطلع یہ ہے:-

آج مقتل میں عجب بے سروساماں ہیں حرم

دوسرے مرثیے کا مطلع حسبِ ذیل ہے:-

قتل جب ہوگئے سلطانؑ مدینہ رن میں

حسینؔ لکھنوی صرف ایک اُمّی شاعر نہیں بلکہ شاعر گر واقع ہوئے تھے اکثر سوزخوان تلامذہ ان کے فیضانِ سخن سے فیضیاب ہوئے ہیں''۔

مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

''یہ ضرور ہے کہ مرثیے کم کہے مگر جو کچھ کہا ایسا کہا کہ بڑے بڑے خوش گویان لکھنؤ کے دانت کھٹے کر دیئے''۔ (اسرارِ محن صفحہ ۷۶) حسینؔ لکھنوی نے تقریباً پندرہ (۱۵) مرثیے کہے لیکن اب اُن مرثیوں کا سُراغ نہیں ملتا''۔ (اذکارِ محن صفحہ ۳۹)

زینت زہرا رضوی نے حسینؔ لکھنوی کے مرثیوں کی تعداد زیادہ بتائی ہے وہ لکھتی ہیں:-

''حسینؔ لکھنوی نے بتیس برس مرثیہ گوئی میں گزارے، تقریباً چالیس مرثیے اور لاتعداد سلام اور نوحے کہے، زیادہ تر مرثیے نایاب ہیں اور جو قلمی نسخے موجود ہیں وہ بھی کسی حد تک غیر محفوظ ہیں''۔ (''جائس کا رثائی ادب'' مطبوعہ العلم بمبئی، دسمبر ۱۹۹۳ء)

زینت زہرا رضوی مرثیوں کی تعداد چالیس[۴] بتانے کے باوجود صرف نو[۹] عدد مرثیوں کے مطلع لکھ سکی ہیں۔

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی کے مرثیے، مطبع بہار اودھ،

ریاض المطابع، لکھنؤ (۱۹۳۴ء) کے علاوہ ''اذکارِ محن'' (ایک مرثیہ) اور ''اسرارِ محن'' (ایک مرثیہ) شائع ہو چکے ہیں۔ جو مرثیے دستیاب ہیں اُن کے مطلعے مندرجہ ذیل ہیں:-

مطلع	بند	درحال
۱۔ آج مقتل میں عجب بے سروساماں ہیں حرم	۲۵	شامِ غریباں
۲۔ قتل جب ہو گئے سلطانِ مدینہ رن میں	۱۸	شامِ غریباں
۳۔ حرم سرا سے جو حیدرؑ کا آفتاب چلا	۱۲۷	امام حسینؑ
۴۔ جب شور آمد آمد مہر مبیں ہوا	۱۰۳	حضرت عباسؑ
۵۔ خاصانِ خدا کو نہیں آرام جہاں میں	۱۲۶	حضرت ابوذر
۶۔ یہ دن وہ ہیں کہ سبطِ پیمبرؐ سفر میں ہیں		سفرِ امام حسینؑ
۷۔ اُمت کے ہاتھ کون نبی شاد ماں رہا		طوفانِ نوح
۸۔ روضۂ احمدؐ مرسل کا ثناخواں ہوں میں	۸۲	''موسمِ سرما''
۹۔ دو چاند جب طلوع ہوئے خیمہ گاہ سے		حضرت عونؑ و محمدؑ

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی نے رباعیات اور سلام بھی خاصی تعداد میں کہے ہیں لیکن دستیاب نہیں ہیں۔ نمونے کے طور پر صرف چند رباعیاں ملتی ہیں:-

رباعیات

یہ حال ہو گر سب پہ عیاں بہتر ہے
حق گوئی کرے جو وہ زباں بہتر ہے
گر حکم ہو مجلس میں ابھی نظم کروں
اس شک سے حسینؔ کا امتحاں بہتر ہے

منکر ہو جہاں میں اس کا کیونکر کوئی
ڈھونڈے سے ملے نہ جس کا ہمسر کوئی
میزانِ خرد میں ہم نے تولا سو بار
لیکن نہ ملا نبیؐ سے بہتر کوئی

ذرہ دیکھا فلک کا تارا دیکھا
خورشید و قمر کا روز جلوہ دیکھا
موتی ہو کہ لعل ہو کہ شمع محفل
ہر چیز میں میں نے نور تیرا دیکھا

بس کر چکیں عالم کے نظارے آنکھیں
باقی تھیں جوانی کے سہارے آنکھیں
پیری میں یہ خود بھی ہیں چراغ سحری
ہیں صبح کے ڈوبتے ستارے آنکھیں

سلام

جو نکلے ہیں وطن سے رہرو راہِ رضا ہو کر
جناں میں جائیں گے اب وہ مسافر کربلا ہوکر
صدائے قُمْ بِاِذْنِی جس گھڑی کانوں میں آئے گی
اُٹھیں گے قبر سے ہم بھی غبارِ کربلا ہوکر
کہا اعدا سے شہؑ نے کھینچ کر تیغ دو پیکر کو
یہ بجلی چرخ سے اُتری ہے قہرِ کبریا ہوکر
کیا اعدا پہ حملہ حضرتِ عباسؑ نے جس دم
فرس دریا پہ پہنچا شیر کا قہرِ خدا ہوکر
دکھا کر ذوالفقارِ حیدری اعدا سے شہؑ بولے
یہی ہے وہ پری آئے گی جو تم پر بلا ہوکر
بنا ہے حرملہ کا تیر رن میں لؤ کا ہر جھونکا
علی اصغرؑ جو پیاسے آئے ہیں ماں سے جدا ہوکر
دمِ آخر یہ کہہ کر شمر سے شہؑ مسکراتے ہیں
گلے سے آبِ تیغ اُترے گا آج آبِ بقا ہوکر
یہ زینبؑ کو صدا آئی در و دیوارِ زنداں سے
کہ رکھا اُمّتِ عاصی کا پردہ بے ردا ہوکر
علی اکبرؑ نے جب رخصت طلب کی تب یہ شہؑ بولے
کہ مجھ کو چھوڑتے ہو کیوں شبیہ مصطفاؐ ہوکر
زیارت کی دعا کرتا ہوں تو دل مجھ سے کہتا ہے
حسینؔ پہنچے گا پھر تو کربلا آہِ رسا ہوکر

سلام

اے حسینؑ کچھ بھی رسا گر تری قسمت ہوتی
روضۂ شاہِ خُراساں کی زیارت ہوتی

عونؑ و جعفرؑ کی وغا دیکھ کے کہتے تھے حسینؑ
پیاس شیروں کو نہ ہوتی تو قیامت ہوتی

اور دم بھر جو نہ عباسؑ کے بازو کٹتے
سارے دریا میں فقط خون کی رنگت ہوتی

شاہؑ کہتے تھے مزا جنگ و جدل کا آتا
کچھ بھی اے شامیو! گر تم میں حمیت ہوتی

شبِ عاشور یہ کہتے تھے رفیقانِ حسینؑ
رات ہوتی جو بڑی اور عبادت ہوتی

اُف زباں سے کبھی عاشور کو کرتے نہ حسینؑ
اس سے بھی بڑھ کے اگر دھوپ میں حدّت ہوتی

شب سے بے چین تھے تربت میں رسولؐ الثقلین
صبح عاشور نہ کیوں صبحِ قیامت ہوتی

بزمِ شبیرؑ میں تا عصر ہوا ویرانہ
ہوتے پروانے بھی گر شمع امامت ہوتی

ماں یہ کہتی تھی کہ پڑتی مرے دل میں ٹھنڈک
پاس دریا کے جو اصغرؑ تری تربت ہوتی

دوشِ ہم شکلِ نبیؐ پر یوں ہی پڑتیں تیغیں
اے حسینؑ ڈھال بھی گر مُہرِ نبوت ہوتی

سلام

میں کیا سمجھوں تمھیں یا حیدرِ کرار کیا تم ہو
خدا ہرگز نہیں لیکن خدا سے کب جدا تم ہو

فرشتے کہتے ہیں انصارِ (شہ سے کتنی حسرت سے)
خوشا اے مرنے والو شاملِ خاکِ شفا تم ہو

سمجھنے میں تمہارے یا علیؑ حیران ہے دنیا
شبِ معراج لیکن کھل گیا رازِ خدا تم ہو

درِ زنداں پہ آ کر ہند نے زینبؑ سے یہ پوچھا
بتا دو کب سے بی بی موردِ رنج و بلا تم ہو

(اے) ابنِ مصطفیؐ، نفسِ نبیؐ، دامادِ پیغمبرؐ
محمدؐ کی قسم ہے، قابلِ صلّیِ علیٰ تم ہو

جلائے تم نے جب مردے خدا کہنے لگے بندے
ہوا یہ اور بھی دھوکہ کہ ہمنامِ خدا تم ہو

تمہارا رتبہ اتنا یا علیؑ میں بھی سمجھتا ہوں
بہار صنعتِ کلکِ قضا کی انتہا تم ہو

شبِ ہجرت پیمبرؐ نے جگہ دی اپنے بستر پر
کہ تا سب جان جائیں جانشینِ مصطفیؐ تم ہو

وہی دل ہے محبت ہو تمہاری جاگزیں جس میں
وہی کعبہ ہے جس کے یا علیؑ جلوہ نما تم ہو

کہا ماں نے یہ اکبرؑ سے کہ جاؤ شوق سے رن میں
تمہیں اعدا نہ ماریں گے شبیہِ مصطفیؐ تم ہو

تقاضا روز عاشورا یہ زینبؑ کا تھا بچوں سے
مرے پہلو سے جاؤ اپنے ماموں پر فدا تم ہو

لپٹ کر حلق نازک سے کہا خود تیر نے رن میں
علی اصغرؑ میں شاہد ہوں کہ بالکل بے خطا تم ہو

فرشتوں نے جو چونکایا لحد میں اُٹھ کے میں بولا
صدا جلدی سناؤ کس طرف شیرِ خدا تم ہو

جہاں میں معجزہ شق القمر کا سب پہ روشن ہے
دکھائے سینکڑوں اعجاز وہ معجز نما تم ہو

مرے مولا جہازِ امتِ عاصی کے بیڑے کے
خدا تو کہہ نہیں سکتا ہوں لیکن ناخدا تم ہو

دمِ اذنِ وغا اکبرؑ سے رو کر شہؑ نے فرمایا
تمہیں کس طرح سے بھیجوں شبیہِ مصطفیؐ تم ہو

سلام

غل ہے یہ چاروں طرف شام کے بازاروں میں
ایک بیمار بھی آتا ہے گرفتاروں میں

ہے ورم پاؤں پہ اور جسم ہے لاغر اس کا
لا رہے ہیں اسے گھیرے ہوئے تلواروں میں
طوق گردن میں ہے اور پاؤں میں زنجیریں ہیں
شرم سے سر وہ جھکائے ہے دل آزاروں میں
غم عزیزوں کا اسے کرتا ہے بیتاب ایسا
جابجا سر کو وہ ٹکراتا ہے دیواروں میں
زخم تلووں کے لہو دیتے ہیں چلتا ہے جو راہ
فوج اعدا نے پھرایا ہے اسے خاروں میں
لاغری عابدؑ بیمار کی دیکھے کوئی
حلقے آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے رخساروں میں
چند ناقوں پہ ہیں کچھ عورتیں بچے بھی سوار
ان کو لاتے ہیں پھراتے ہوئے بازاروں میں
اور خوش ہوتے ہیں ان قیدیوں کو دیکھ کے سب
عید کا دن نظر آتا ہے ستم گاروں میں
ان میں اک چھوٹی سی لڑکی کی ہے حالت ابتر
جان مجروح ہے اور نیل ہے رخساروں میں
سر بھی کچھ نیزوں پہ ہمراہ ہیں اس قافلے کے
جو بظاہر نظر آتے ہیں گنہگاروں میں
تازیانوں سے اذیت انھیں پہنچاتے ہیں
اب جو سجادؑ اکیلے ہیں ستمگاروں میں
ان میں ہے اک سرِ پُرنور ضیا بار ایسا
بدر جس طرح سے ہو جلوہ نما تاروں میں
سورۂ کہف کی کرتا ہے تلاوت وہ سر
جس سے ظاہر ہے کہ یہ ہے کوئی دینداروں میں
پوچھتا ہے جو کوئی کہتے ہیں ظالم ہنس کر
حاکم شاہ کے یہ سب ہیں گنہگاروں میں
لیے جاتے ہیں بس اب روبروئے حاکم شام
سر کھلے ان کو پھراتے ہوئے بازاروں میں
اے حسینؔ گھیرے ہے اِن سب کو سپاہ اظلم
پھول گلزار محمدؐ کے ہیں ان خاروں میں

اظہر حسین پرتوؔ لکھنوی (شاگردِ آرزوؔ لکھنوی) چھنگا صاحب حسینؔ کی مجالس میں شریک ہوئے تھے اور خود اُن سے مرثیے سنے تھے وہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''ایک وقت لکھنؤ کا یہ ماحول تھا چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی حرف شناس بھی نہ تھے لیکن ذہن وحافظہ بلا کا پایا تھا حُسنِ فکر کی نسبت سے حسینؔ اس پر جناب جاویدؔ لکھنوی کی اصلاح وتربیت نے حُسنِ کلام بھی پیدا کر کے مکمل حسینؔ بنا دیا۔ مرثیہ خود کہتے تھے لکھتا کوئی دوسرا تھا (کتابت کوئی اور کرتا تھا) مجلس میں اپنا مرثیہ خود پڑھتے تھے، میں خود اُن کی مجلسوں میں شریک ہوا ہوں، حسینؔ منبر پر، مرثیہ ہاتھ میں، ایک شخص قریب منبر کے ایستادہ، اُس نے شروع کا ایک لفظ چپکے سے بتایا اور حسینؔ اس سلسلے کے پورے بند ٹھاٹھ کے ساتھ پڑھ گئے، یوں ہی مرثیہ تمام ہوتا تھا، داد کا ہمہمہ بھی ہوتا اور شورِ گریہ بھی، ان کے مرثیے کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ یہ شخص قطعاً بے پڑھا تھا، نزاکت تخئیل، شستگیٔ زبان، الفاظ کا استعمال برمحل، بندشوں میں روانی، سبھی کچھ تو ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کلام ایک اُمّی محض شاعر کا ہے، نمونے کے لیے ایک بند پیش ہے، سردی کی شدّت کا بیان ہے:-

حکماء کو بھی ہے اب مہر کی حدّت میں کلام
دھوپ بھی چاندنی کی طرح سے دیتی نہیں کام
بَرد اطراف بیاباں کی زمیں کو ہے تمام
سر کھلے رہتے ہیں فوّاروں کو کیوں ہو نہ زکام
آب میں تھی جو روانی وہ تھمی جاتی ہے
دھار ہر ایک برودت سے جمی جاتی ہے

(لکھنؤ مرکزِ زبان وادب صفحہ ۲۸۸)

مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

''اہلِ ذوق نے آج تک دنیا کی چیزیں دیکھی اور سُنی ہوں گی مگر جاڑا نظم کی صورت میں نہ دیکھا ہوگا، چھنگا صاحب حسینؔ پہلی ہستی ہیں جنھوں نے جاڑے کے متعلق ایسی بلند پروازی کی ہے اور وہ نازک خیالات جمع کئے جس کی داد کما حقہ

نہیں دی جاسکتی''۔ (اسرارِ محن صفحہ ۷۶)

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی نے امام حسین علیہ السلام کے سفر کو سردی کے موسم میں فرض کر کے مرثیے کا چہرہ نظم کیا ہے:-

فصل ایسی ہے کہ سردی کا زمانہ آخر
کہرا پڑنے سے نہیں دھوپ بھی ہوتی ظاہر
برف باری سے نشیمن میں ہیں پنہاں طائر
زمزمہ کرنے سے بلبل کی زباں ہے قاصر
دھیان آتا ہے تو بلبل کے جگر کانپتے ہیں
ایسی ٹھنڈی ہے ہوا جس سے شجر کانپتے ہیں

برف باری سے بیاباں کا ہے سبزہ پامال
پالا کھانے سے ہیں ٹھٹھرے ہوئے جنگل میں نہال
اُوس میں بھیگ کے شبنم کا برا ہے احوال
پھل ہے جو باغ میں ہے اس پہ بھی فالج کا خیال
گر بشر کھائیں ہوا واں کی تو ہوں تن نیلے
آج تک ہیں اسی دن سے لب سوسن نیلے

اُوس پڑنے سے ہے بھیگی ہوئی صحرا کی زمیں
طائروں کو بھی برودت سے کہیں چین نہیں
انقلاب ایسا نہ آیا ہے تہہِ چرخ بریں
بلبلیں بیٹھی ہیں لالے کی انگیٹھی کے قریں
بال و پر اوس سے بھیگے ہوں تو راحت کیسی
آتش گل میں برودت ہے حرارت کیسی

مرزا فدا علی خنجرؔ لکھنوی نے اپنے مضمون ''اردو کے ان پڑھ شعرا'' میں چھنگا صاحب حسینؔ کے اس مرثیے کے کچھ بند نقل کرنے کے بعد اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے:-

''اگر چہ یہ جدّت خلافِ واقعہ ہے تاہم حسینؔ لکھنوی کی مضمون طرازِ طبیعت کا آئینہ ضرور ہے''۔ (''اُردو کے ان پڑھ شعرا'' سہ ماہی اردو جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۷)

شاعرانہ اعتبار سے حسینؔ لکھنوی کی یہ کوشش لاجواب ہے، تاریخی اعتبار سے یہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

انگریزی حساب سے یوم عاشورہ ۸/ اکتوبر ۶۸۰ء کو ہوا تھا۔ امام حسینؑ کا سفر مئی میں شروع ہوا، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ریگستان میں سخت گرمی کے موسم ہوتے ہیں۔ اس لیے سفر میں سردی کا موسم آیا ہی نہیں اور سفر جاری نہیں تھا بلکہ قیامِ مکّہ زیادہ ہے۔ (سفر میں تھے) سفر کر نہیں رہے تھے۔ مدینے سے مکے پہلا سفر اور مکّے سے کربلا دوسرا سفر ہے۔ یہ سفر چھ مہینے پر محیط نہیں ہیں بلکہ مکّے میں قیام کا عرصہ زیادہ ہے۔

چونکہ لکھنؤ کے مرثیہ نگار شعرا میں تحقیقی مزاج دیر میں پیدا ہوا اس لیے اس تاریخی غلطی کا امکان موجود تھا۔ شاعری لاجواب ہے۔

چھنگا صاحب حسینؔ لکھنوی کا ایک اور مرثیہ بھی معارِض بحث ہے، مرثیے کا مطلع ہے:-

امت کے ہاتھ کون نبی شادماں رہا

اس مرثیے کا موضوع ''طوفانِ نوح'' ہے۔

(سیدالعلماء) مولانا علی نقی نقوی عرف مولانا نقّن صاحب لکھتے ہیں:-

''خطیب آلِ محمدؐ حضرت شمس العلماء مولانا سیّد سبط حسن طاب ثراہ نے ایک طویل الذیل مرثیہ ''طوفانِ نوح'' کے متعلق نظم کیا تھا، ہماری نظر سے نہیں گذرا مگر سنا ہے اور یقیناً جو سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یہ مرثیہ شاعری کا ایک عظیم کارنامہ کہے جانے کا مستحق ہے۔ کیا اچھا ہو کہ یہ مرثیہ منظر عام پر آجائے اور اردو ادب میں ایک بہترین اضافے کا باعث ہو''۔ (سوانحِ حیات خطیب آلِ محمدؐ مولانا سبطِ حسن مرحوم صفحہ ۷۳)

مشہور یہی ہے کہ چھنگا صاحب حسینؔ نے مولانا سبطِ حسن صاحب مرحوم کا مرثیہ ''طوفانِ نوح'' مجلس میں پڑھا تھا۔ آیا یہ دو الگ الگ مرثیے ہیں یا ایک ہی مرثیہ ہے یہ طے کرنا بہت مشکل ہے۔ (۱)

---

(۱) یہ کہیں مشہور نہیں ہے دونوں مرثیے الگ الگ ہیں۔ (اسیفؔ جائسی)

مرثیے کے چار بند ''تاریخِ لکھنؤ'' میں نمونے کے طور پر دیئے گئے ہیں:-

جس جس جگہ تھی ریت وہاں دھارے ہوگئے
بہتے ہوئے حباب بھی سیّارے ہوگئے
ذرّے زمیں کے ٹوٹے ہوئے تارے ہوگئے
اُبھرے رہے جو نخل وہ فوّارے ہوگئے
ملتی تھیں موجیں عرش معلّٰی کے کاخ سے
کونپل کے بدلے دھار نکلتی تھی شاخ سے

تھا جو کہیں اُتار زمیں کا کہیں چڑھاؤ
پانی کا اس سبب سے نہ تھا ایک سا بہاؤ
ٹھہرے ہوئے میں تھا خس و خاشاک کا جماؤ
اور زور تھا جہاں پہ وہاں کوہ بھی تھے ناؤ
پتھر بھی انقلاب نیا اک دکھا گئے
مغرب کے جو پہاڑ تھے مشرق میں آگئے

میدان سارے غرق تھے اور سبزہ زار غرق
کیا ذکر ہے مکانوں کا، تھے کوہسار غرق
بڑھتا جو اور، ہوتی جہنم کی نار غرق
المختصر تھی ہستیٔ ناپائیدار غرق
یہ وجہ تھی جو موت ہر اک کو پسند تھی
راہِ عدم نہ ہوتی تو ہر راہ بند تھی

ڈوبے ہوئے تھے آب میں اس طرح کوہسار
جس طرح سنگریزے ہوں کچھ تہہ میں آشکار
قہرِ خدا محیط تھا، موجیں تھیں بے قرار
تھے مچھلیوں کے واسطے گرداب کے حصار
تھرّا رہا تھا مہر بلندی سے آب کی
پانی کو ناپتی تھی کرن آفتاب کی

چھنگا صاحب حسینؔ نے ایک مرثیے میں جناب عونؑ و محمدؑ پسرانِ جناب زینبؑ کے حالات بیان کئے ہیں جس کا مطلع اس مصرع سے شروع ہوتا ہے:-

دو چاند جب طلوع ہوئے خیمہ گاہ سے

جناب عونؑ و محمدؑ کے گھوڑوں کی تعریف میں کہتے ہیں:-

جب اُڑ کے چمکے (دونوں) تو سیّارے ہوگئے
سرعت بڑھی تو ٹوٹے ہوئے تارے ہوگئے
سنکی ہوئی ہواؤں کے دو دھارے ہوگئے
اور منھ سے کف اُڑایا تو فوّارے ہوگئے
ان کی ضیا سے کم ہے ضیا آفتاب کی
باگیں نہیں ہیں دونوں کی دھاریں ہیں آب کی

بے حکم اپنی جا سے ہٹیں، تاب یہ کہاں
ڈھیلی ذرا ہوں باگیں تو ہوں تیر سے رواں
سو بار ہو چکا ہے زمانے میں امتحاں
مرکب یہ راکبوں کے ہیں ایسے مزاج داں
لشکر کی سیدھ باندھ لی، پاکر ارادوں کو
دو پریاں لے کے اُڑ گئیں دو شاہزادوں کو

جناب امام حسینؑ جناب سکینہؑ کو اُن کے چھ ماہ کے بھائی علی اصغرؑ کی شہادت کی خبر دینے کے بعد تسلّی و تشفّی دے رہے ہیں۔ چھنگا صاحب حسینؔ نے نہایت خوبصورتی سے اس واقعہ کا نقشہ کھینچا ہے:-

دادی لیے ہیں گود میں کرتی ہیں اس کو پیار
یاں سے زیادہ چین میں ہے اب وہ شیر خوار
واں دھوپ ہے نہ لو ہے نہ دکھ ہے نہ انتشار
ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں، ہیں نخلِ سایہ دار
ایذائیں سو طرح کی تھیں دنیائے زشت میں
محسن کے ساتھ کھیلتا ہوگا بہشت میں

ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی لکھتے ہیں:-

''حسینؔ کے مرثیے ان کی ذہانت اور طغیانی طبع کا پتہ دیتے ہیں، بیان میں روانی، سلاست اور برجستگی ہے، صنائع بدائع، استعارات اور تشبیہات کا استادانہ رنگ ہے، رعایت لفظی اور تخئیل کاری کی بنا پر کلام میں اثر ہے، انیسؔ کے بعد مرثیہ نگاری

میں حسینؔ کا نام ان کے حرف شناس نہ ہونے کے باوجود قابلِ لحاظ سخنوری کی بنا پر اہمیت کا حامل ہے:۔(''اردو مرثیہ، میر انیسؔ کے بعد''صفحہ ۹۲)

حوالہ جات

کتاب کا نام	مرتّبہ	مطبوعہ	سنِ اشاعت
۱۔ اذکارِ محن	مہذّبؔ لکھنوی	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ	۱۹۵۱ء
۲۔ اسرارِ محن	مہذّبؔ لکھنوی	// // //	۱۹۵۱ء
۳۔ اردو مرثیہ میر انیسؔ کے بعد	ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی	ایرانین آرٹ، دہلی	۱۹۹۷ء
۴۔ لکھنؤ کے اُمّی شعراء	حیدر حسین فضاؔ لکھنوی	نظامی پریس، لکھنؤ	۱۹۸۹ء
۵۔ اردو کے اُمّی شعراء	شاہ عزیزُ الکلام	اردو اکیڈمی، کراچی	۱۹۹۶ء
۶۔ گلدستۂ سلام	عابد علی فرقتؔ	نولکشور پریس، لکھنؤ	۱۹۲۷ء
۷۔ خطیبِ آلِ محمدؐ	مولانا علی نقی، لکھنوی	امامیہ مشن، یوسفی پریس، لکھنؤ	۱۹۳۵ء
۸۔ دوماہی العلم	مدیر، علی جواد زیدی	زینبیہ انسٹیٹیوٹ، بمبئی	۱۹۹۳ء
۹۔ خاندان اجتہاد نمبر	مدیر مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی	نورِ ہدایت فاؤنڈیشن، امامباڑہ غفرانمآب، چوک لکھنؤ	دسمبر ۲۰۰۴ء

مرثیہ در حال شامِ غریباں (بند-۱۸)

(۱)

قتل جب ہوگئے سلطانِ مدینہ رن میں
آئے خیمہ سے حرم پیٹتے سینہ رن میں
غرقِ خوں ہوچکا زہراؑ کا سفینہ رن میں
رو کے چلّاتی تھی اُس دم یہ سکینہؑ رن میں
رحم لِلّٰہ مرے حال پہ کھاؤ لوگو
لاش بابا کی مرے مجھ کو دکھاؤ لوگو

(۲)

کبھی کہتی تھی یہ سر پیٹ کے وہ خستہ جگر
نہ تو عباسؑ چچا اب ہیں نہ بھیا اکبرؑ
جو مرے چاہنے والے تھے گئے سب وہ کدھر
نہ ہیں مسلمؑ کے جگر بند نہ عونؑ و جعفرؑ
جن سے قوت تھی وہی سب مرا دل توڑ گئے
بھائی قاسمؑ بھی اکیلا ہی مجھے چھوڑ گئے

(۳)

کہہ کے یہ رن کی طرف وہ جگر افگار چلی
سر پٹکتی ہوئی وہ زیست سے بیزار چلی
خاک اُڑاتی ہوئی بادیدۂ خونبار چلی
شوق میں شہؑ کے یتیمِ شہِ ابرار چلی
ہائے کب بچھڑے ہوئے بھائی سے ہمشیر ملی
جاتے جاتے لحدِ اصغرؑ بے شیر ملی

(۴)

تھم کے ایک بار یہ کہنے لگی وہ پیٹ کے سر
یاں پہنچتے ہی سِوا ہوگیا کچھ دردِ جگر
قدم اُٹھتے نہیں اس جا سے بڑھوں میں کیونکر
تجھ سے اے قبر مجھے آتی ہے بوئے اصغرؑ
اب تو بچھڑے ہوئے بھائی سے ملا دے جلدی
میرے ننھے سے مسافر کو دکھا دے جلدی

(۵)

تیری آغوش میں کیونکر اُسے نیند آئی ہے
ماں ہے پہلو میں نہ اب پاس کوئی بھائی ہے
بسترِ خاک ہے اور عالمِ تنہائی ہے
نہ چچا ہیں نہ پدر ہیں نہ یہ مانجائی ہے
سو گیا ہے ابھی کچھ پیاس سے روتے روتے
چونک اُٹھے گا مری آواز سے سوتے سوتے

(۶)

سخت حیراں ہوں کہ کیونکر ہوئی راحت اس کو
ماں کی آغوش میں تھی سونے کی عادت اس کو
تھی سوا حد سے کہیں پیاس کی شدت اس کو
اور مجھ سے بھی نہایت تھی محبت اس کو
میں بھی ہر دم اسی معصوم کا دم بھرتی تھی
جو اشاروں میں یہ کہتا تھا وہی کرتی تھی

(۷)

خون کے جوش نے کچھ اور دکھایا جو اثر
رکھ کے منہ قبر پہ کہنے لگی بادیدۂ تر
گر کے تربت پہ یہ چلائی کہ ہے ہے اصغرؑ
ہائے افسوس رہے تشنہ لب و تشنہ جگر
اپنا بستر کہیں کوثر کے کنارے کرنا
گر کئے جائیں تو پانی کے اشارے کرنا

(۸)

اب تو راحت کے عوض سینہ زنی ہے بھائی
دشت ویراں ہے غریب الوطنی ہے بھائی
تیسرا دن ہے کہ تشنہ دہنی ہے بھائی
شاق اب فرقتِ شاہؑ مدنی ہے بھائی
اُٹھ گئے راحت و آرام کے ساماں افسوس
خاک میں مل گئے خواہر کے سب ارماں افسوس

(۹)

چھوٹی سی قبر کی پھر اُس نے بلائیں لے کر
نہیں معلوم بڑی دیر سے کچھ حال پدر
کہا اب جاتے ہیں اللہ نگہباں اصغرؑ
چھوڑ کر ہم کو بیاباں میں سدھارے ہیں کدھر
اسی میداں میں کسی جا تو نظر آئے گی
لاش بابا کی کہیں راہ میں مل جائے گی

(۱۰)

چھوڑ کر تربتِ معصوم بصد آہ و فغاں
بیٹھ جاتی تھی اگر تھک کے کہیں وہ ناداں
ایک جانب کو چلی خاک بسر نوحہ کناں
رو کے چلاتی تھی آواز دو بابا ہو کہاں
قتل گہہ سے نہیں مجھ تک کوئی آنے والا
کوئی ملتا نہیں اب راہ بتانے والا

(۱۱)

پہنچی روتی ہوئی جب گنجِ شہیداں کے قریں
ہو کے مایوس یہ کہنے لگی وہ زار و حزیں
دیکھا لاشوں کو پڑے خاک پہ خوں سے رنگیں
دل کی سب حسرتیں افسوس ہے دل ہی میں رہیں
دھیان میرا نہ رکھا پیاس کے مارے پہنچے
سب مجھے چھوڑ کے کوثر کے کنارے پہنچے

(۱۲)

کبھی سینہ کبھی سر پیٹ کے یوں چلّائی
کیوں نہیں بولتے اب مجھ سے مرے شیدائی
اے شہیدو! تمہیں رونے کو یہ بیکس آئی
تمہیں آواز سنا دو مجھے اکبرؑ بھائی
ساتھ یا لے چلو یا اُن کا پتا دو مجھ کو
بھائی لاشہ مرے بابا کا بتا دو مجھ کو

(۱۳)

ناگہاں کان میں اُس بچی کے آئی یہ صدا
یہ صدا سن کے بڑھی تھی کہ نشیب ایک ملا
واں کہاں جاتی ہو، آؤ، اِدھر آؤ، میں فدا
دیکھا اک لاشہ کے ہاتھ اُٹھتے ہیں اور سر ہے جدا
ہے یہی میّتِ دلبندِ نبیؐ جان گئی
لاش کو باپ کی آواز سے پہچان گئی

(۱۴)

آ گئی دوڑ کے بس متصل لاش پدر
ہو کے بیتاب تڑپنے لگا ننھا سا جگر
رکھ کے منہ سینے پہ کہنے لگی شہؑ کی دختر
آہ کے ساتھ ہی چبھنے لگے دل میں نشتر
ظلم ظاہر کیے یوں شہؑ پہ ستمگاروں کے
نیل دکھلانے لگی چاند سے رخساروں کے

(۱۵)

لاش سے کہنے لگی رو کے وہ تفتیدہ جگر
ایسے وعدے کے فدا اور تصدق ان پر
واہ کیا خوب کہ آفت میں نہ لی میری خبر
منتظر در پہ میں بیٹھی رہی بادیدۂ تر
جا کے پھر آئے نہ کیوں کیسی تھی الفت بابا
میں کبھی کرتی نہ پانی کی شکایت بابا

(۱۶)

دوسرے آپ سے اس بات کا ہے مجھ کو گلا
کہ مری بالی سکینہؑ کو نہ دینا ایذا
شمر کو آپ نے سمجھا نہ دیا اے بابا
بے پدر بچوں پہ کب ظلم و ستم ہے یہ روا
پیاس سے مرتی ہے مجبور ہے ناچار ہے وہ
کہہ دیا ہوتا کہ پانی کی طلبگار ہے وہ

(۱۷)

آپ سے کرتی ہوں فریاد یہ میں خستہ جگر
آئے خیمہ کی طرف تیغ بکف بانیِ شر
دشت غربت میں جدا کر چکے جب آپ کا سر
شمر نے مارے طمانچے مجھے چھینے گوہر
سب مجھے چھوڑ گئے رنج اُٹھانے کے لیے
آئے عباسؑ چچا بھی نہ بچانے کے لیے

(۱۸)

بس حسینؔ روک قلم دل کو نہیں صبر و قرار
آہ کے ساتھ دھواں اُٹھتا ہے دل سے ہر بار
دشت غربت میں لٹی سبطِ نبیؐ کی سرکار
بے کفن دشت میں ہے لاشۂ شاہِ ابرار
خاک کا فرش ہے دو روز کے پیاسے کے لیے
قبر ممکن نہیں احمدؐ کے نواسے کے لیے

مرثیہ در حال حضرت ابوذر (بند ۴۴)

(۱)

خاصانِ خدا کو نہیں آرام جہاں میں
گو عیش کا سنتے نہیں وہ نام جہاں میں
جز طاعت رب کوئی نہیں کام جہاں میں
خوش رہتے ہیں لیکن سحر و شام جہاں میں
تکلیف کا دنیا کی ذرا غم نہیں کرتے
معبود کی طاعت وہ کبھی کم نہیں کرتے

(۲)

چلتے ہیں وہی راہ جو ہے راہِ شریعت
ایذاؤں کی لاتے نہیں وہ لب پہ شکایت
تکلیف کسی حد کی ہو گویا ہے وہ راحت
ہے سب پہ مقدم انہیں معبود کی طاعت
دم بھر بھی کیا بند نہ اُن سب نے لبوں کو
قرآن پڑھے نور میں چہروں کے شبوں کو

(۳)

سمجھے نہ کبھی تخت سلیماں کی حقیقت
ہوں ڈھیر جواہر کے تو مطلق نہ ہو رغبت
وہ تارکِ دنیا کہ جنھیں تاج سے نفرت
خوش رہتے ہیں کافی ہے اُنھیں نور ولایت
فوجوں کی ضرورت ہے نہ کچھ طبل و علم کی
پروا نہیں اصلا اُنہیں کچھ جاہ و حشم کی

(۴)

وہ پیروِ دیں معنیٔ قرآں سے ہیں آگاہ
کچھ شوق نہ تھا اُن کو بجز طاعت اللہ
شمعوں کی بھی حاجت نہیں کافی ہے شبِ ماہ
جو احمدؐ مُرسل نے بتائی وہ چلے راہ
صابر ہیں کبھی درد کا شکوا نہیں کرتے
قاروں کا خزانہ ہو تو پروا نہیں کرتے

(۵)

کیا ذکر ہو اُن کا جو تھے اصحابِ پیمبرؐ
جو فخرِ اکابر تھے وہ تھے خاص ابوذرؓ
مدّاح رہا جن کا سدا خالقِ اکبر
ہوتے تھے جدا خدمتِ شہؑ سے نہ وہ دم بھر
میدانِ وغا اُن کے سدا ہاتھ رہے ہیں
ہر وقت یہ سائے کی طرح ساتھ رہے ہیں

(۶)

رہتے تھے جو خدمت میں نبیؐ کی سحر و شام
ایذا کو بھی دنیا کی سمجھتے تھے وہ آرام
جز طاعتِ معبود نہ تھا اُن کو کوئی کام
صد حیف ہوا بعدِ نبیؐ اُن کا یہ انجام
جس سمت کو جاتے ہیں اُدھر دشمن دیں ہیں
خاک اُڑتی ہے مسجد میں پیمبرؐ جو نہیں ہیں

(۷)

مرقوم کتابوں میں ہے یہ واقعہ سارا
فاقوں میں تو فاقے دیئے ایذاؤں پہ ایذا
رحم اُن پہ ستمگاروں کو آیا نہیں اصلا
رہنا ہوا اِک دم نہ مدینے میں گوارا
تھی خاص محبت جو شہؑ عقدہ کشا سے
دور اُن کو کیا قبرِ رسولؐ دوسرا سے

(۸)

آئی نہ کئی روز غذا جبکہ میسر
مجبور ہوا جب وہ بہت عاشقِ داور
دوگام کا چلنا بھی ہوا ضعف سے دوبھر
اِک روز یہ دختر سے کہا با دِلِ مضطر
جب تک ہیں وطن میں اسی ایذا میں رہیں گے
اب آج سے گھر چھوڑ کے صحرا میں رہیں گے

(۹)

یہ کہہ کے چلے مرقدِ محبوب خدا پر
آواز یہ دی قبرِ پیمبرؐ پہ پہنچ کر
دختر کو بھی ہمراہ لیا با دِلِ مضطر
رہنے مجھے دیتے نہیں راحت سے ستمگر
اب قافلۂ حسرت و ارماں بھی لٹے گا
یا شاہؐ مزار آپ کا اب مجھ سے چھٹے گا

(۱۰)

یہ کہہ کے روانہ ہوئے القصہ ابوذرؓ
راحت نہ ہوئی بعد سفر کے بھی میسر
یہ واں سے چلے تھے کہ پھرا اُن کا مقدر
زوجہ کی بھی رحلت ہوئی ربذے میں پہنچ کر
انجام جو ہے اُس کی بھی سب اِن کو خبر ہے
اب آپ ہیں اور دخترِ تفتیدہ جگر ہے

(۱۱)

باقی ہے فقط ضعف سے ایماو اِشارہ
مجروح ہے دل اور جگر غم سے دوپارا
اِک بات بھی کرنے کا نہیں ضعف سے یارا
دختر سے کبھی کہتے تھے ہے موت گوارا
مجروح ہے پہلو میں جگر تیغ ِ ستم سے
اک آبلہ دل ہوگیا ہے سوز الم سے

(۱۲)

ربذے سے بھی القصّہ چلے جبکہ وہ مضطر
جس جا پہ نہ سبزہ تھا نہ پانی تھا میسر
اُس دشت میں لایا اُنہیں برگشتہ مقدر
دم پیاس کی شدت سے تھا ہر بار لبوں پر
چہرہ یہ بتاتا تھا کہ ہیں رنج و الم میں
آرام تھا کیا خاک بیابانِ ستم میں

(۱۳)

کھنچ جائے نگاہوں میں اب اُس دشت کا منظر
خائف ہے اُسی دشت سے خورشید منور
کوسوں کہیں سایہ ہے نہ پانی ہے میسر
کانٹوں سے ہے صد چاک وہاں دھوپ کی چادر
ہیبت سے شرارے بھی تو بہتر ہے نہاں ہیں
بند آنکھیں کئے لیٹے ہیں ذرّے جو وہاں ہیں

(۱۴)

آندھی کی طرح دور نظر آتے ہیں کہسار
چنگاریاں اُڑتی ہیں کہ پتھر ہیں شرربار
ہے عکس سے اُن کے وہ بیاباں سیہ و تار
مدقوق کے مانند ہیں سوکھے ہوئے اشجار
ٹکراتے ہیں گردوں سے بگولے یہ چڑھے ہیں
جھیلیں نہیں بیمار کی آنکھوں میں گڑھے ہیں

(۱۵)

ویراں وہ بیاباں وہ شجر خشک یہاں تک
ہیبت سے نکلتی نہیں آنکھوں سے نظر تک
میداں میں قیامت ہے نہیں اس میں ذرا شک
دل ٹھوکریں کھاتے ہیں خریدار نہ گاہک
ہیبت یہی کہتی ہے کہ اِس دشت میں کیا ہے
کانٹے یہ بتاتے ہیں کہ بس ذاتِ خدا ہے

(۱۶)

پُرخار بیاباں میں درندوں کی وہ کثرت
آئینہ ہوئی جاتی ہے ذروں کی خجالت
دل کانپ رہا ہے وہ ہر اِک شے میں ہے ہیبت
ہر شے پہ کرے غور تو ہو جائے ہلاکت
بیٹھے ہوئے ہیں شیر جو چوٹی پہ جبل کی
ہر اِک کو نظر آتی ہے تصویر اجل کی

(۱۷)

گوشوں میں پہاڑوں کی نظر آتے ہیں اژدر
یہ کوہ کے دامن کو جلا دیتے ہیں اکثر
زہریلے ہیں ایسے کہ ترق جاتے ہیں پتھر
سرمہ ابھی ہوجائے جو پتھر کی ہو چادر
تا دور فقط زہر یہ دوڑا ہے نظر میں
یاقوت بھی نیلا ہوا جاتا ہے نظر میں

(۱۸)

ہیبت ہے وہ جنگل کی کہ جینے سے ہے دل سیر
تقدیر کی گردش ہے بگولوں کی جو ہیں پھیر
جب سانس لی سمجھے کہ نہیں موت میں کچھ دیر
سائے میں کہیں گھات پہ بیٹھے ہوئے ہیں شیر
گھڑیاں ہیں مضطر کہ الم دل پہ پڑے ہیں
پانی سے نکل آئے ہیں خشکی میں پڑے ہیں

(۱۹)

اُس دشت پُرآشوب میں تھی دن کو یہ حالت
خورشید چھپا جب تو کھلی چادر ظلمت
دل کہتا ہے کچھ نظم کروں شب کی حکایت
اُس دشت پُر آفت کی سوا ہوگئی ہیبت
تصویر یہ کھینچی ہے نئی رنج و قلق نے
مغرب کی طرف آگ لگائی ہے شفق نے

(۲۰)

وہ رات اندھیری وہ پُرآشوب بیاباں
سنسان وہ جنگل ہے کہ حیواں ہے نہ اِنساں
ساکت ہیں شجریوں کہ نہیں ہوتے ہیں جنباں
طائر بھی نشیمن میں ہوئے جاتے ہیں پنہاں
بے چین ہیں خود نخل بیاباں کے تعب سے
جکڑے ہوئے ہیں کشمکشِ ظلمتِ شب سے

(۲۱)

اِس ذکر میں ہو طول یہ مجھ کو نہیں منظور
یہ دشت پُرآشوب کتابوں سے ہے مشہور
جس شب کے اندھیرے کا سنا آپ نے مذکور
آیا ہے مسافر کوئی اِس دشت میں مجبور
صحبت جو اُٹھائی تھی رسولؐ دوسرا کی
دِن زیست کے کاٹے تھے اطاعت میں خدا کی

(۲۲)

فاقوں سے مگر اب رہی طاقت نہ ذرا بھی
اُس میلی رِدا سے بھی ہے اِک چاندنی پھیلی
ہے ماہ کے مانند رُخِ پاک پہ زردی
باقی نہیں ہے جسم میں اِک بوند لہو کی
جو گذرے گی دم بھر میں وہ سب اِن کو خبر ہے
کچھ دیر کا مہماں ہے اجل پیشِ نظر ہے

(۲۳)

کی جمع وہاں بیٹھ کے پھر خاکِ بیاباں
لیٹا تو مہیا ہوئے سب موت کے ساماں
سر رکھ کے اُسی خاک پہ وہ عاشقِ یزداں
بیٹی نے نظر رُخ پہ جو کی ہوکے پریشاں
سمجھی کہ عیاں موت کے آثار ہیں سارے
اعضائے بدن ضعف سے بیکار ہیں سارے

(۲۴)

پاس آ کے کہا اُس نے یہ پھر با دلِ مضطر
آہستہ یہ کہنے لگے اُس وقت ابوذر
بابا ہے یہ کیا حال بتاؤ پئے داور
جو موت کی ایذا ہے بیاں اُس کا ہو کیونکر
دم ہونٹوں پہ کھنچ کھنچ کے مرا آ گیا بیٹی
اب وقتِ ملاقاتِ خدا آ گیا بیٹی

(۲۵)

کچھ دیر کا اب دہرِ پُرآفت میں ہوں مہماں
جب روح مری تن سے نکل جائے میں قرباں
رونا بھی نہ تم بال بھی کرنا نہ پریشاں
لاشے پہ عبا ایک اُڑھا دیجیو اُس آں
اُٹھ جاؤں گا جس وقت میں اِس دارِ محن سے
محتاج رکھے گا نہ خدا غسل و کفن سے

(۲۶)

جو کچھ کہ خبر دے گئے ہیں مجھ کو پیمبرؐ
جب روح مری تن سے نکل جائے تو اُٹھ کر
لازم ہے عمل اُس پہ تمہیں اے میری دلبر
اِس راہ میں جا بیٹھنا اوڑھے ہوئے چادر
گر قافلہ آئے کوئی مرضی سے خدا کی
کہنا کہ مرے باپ نے غربت میں قضا کی

(۲۷)

یہ ذکر ابھی کر رہا تھا حق کا وہ شیدا
اُن میں سے کوئی شخص ابوذرؓ سے یہ بولا
کچھ ساکنِ ربذہ بھی جو وارد ہوئے اُس جا
اب بہرِ دوا آپ کو درکار ہے کیا کیا
بیمار ہیں کیا آپ جو لیٹے ہیں زمیں پر
خواہش ہو طبیبوں کی تو آ جائیں یہیں پر

(۲۸)

فرمایا کہ بجز موت نہیں اب کوئی چارا
معبود کی مرضی سے ہے ہر رنج گوارا
مالک کی خوشی جس میں ہو راحت ہے وہ ایذا
میرا ہے طبیب اب وہی جس نے کیا پیدا
سو طرح کے غم ہوں تو شکایت نہیں مجھ کو
غربت میں کسی چیز کی حاجت نہیں مجھ کو

(۲۹)

سن کر یہ سخن ہوگئے مجبور جو وہ سب
دختر گئی نزدیکِ پدر اُٹھ کے اُدھر جب
راہی ہوئے بس اپنے مکانوں کی طرف تب
دیکھا کہ وہ دم توڑتے ہیں ہلتے بھی ہیں لب
دل ہوگیا ویران قضا کر گئے بوذرؓ
پاس اُس کا پہنچنا تھا کہ بس مرگئے بوذرؓ

(۳۰)

سر پیٹ کے پھر روئی یہ کہہ کہہ کے وہ مضطر
یاد آیا اُسے قول پدر جب تو تڑپ کر
اک باپ کا سایہ تھا رہا وہ بھی نہ سر پر
جا بیٹھی سرِ راہ بس اک اوڑھ کے چادر
دل ضعف سے بیٹھا تھا، صدا بیٹھی ہوئی تھی
وہ منتظرِ حکمِ خدا بیٹھی ہوئی تھی

(۳۱)

ناگاہ صدائے جرسِ قافلہ آئی
کچھ دُور پہ جب گرد بھی اُٹھی ہوئی پائی
اِک سمت کو گھبرا کے نظر اُس نے اُٹھائی
کرنے لگی تب شکر وہ گردوں کی ستائی
بے چین تھا جو چین وہ دل پا گیا آخر
وہ قافلہ کچھ دیر میں پاس آگیا آخر

(۳۲)

چلاّ کے یہ کہنے لگی تب پیٹ کے وہ سر
کچھ حال سُناؤں تمہیں میں بیکس و مضطر
اے قافلہ والو یہاں دم لو جو ٹھہر کر
لازم ہے تمہیں رحم کہ ہوں دخترِ بوذرؓ
برچھی سی مرے قلب میں اِک غم کی پڑی ہے
بے گور و کفن لاش یہ بابا کی پڑی ہے

(۳۳)

سن کر یہ صدا تھم گیا وہ قافلہ سارا
یہ کون ابوذرؓ تھے کہ جن کا ہے یہ لاشا
کچھ لوگوں نے اُن سب میں سے پاس آن کے پوچھا
وہ بولی کہ سرتاجِ صحابہ مرے بابا
اِس لاش کو گر دفن کیا خوفِ خدا سے
پھل پاؤ گے تم اِس کا رسولِؐ دوسرا سے

(۳۴)

ہمراہ تھے اُس قافلہ کے مالکِ اشتر
نہلا کے کفن اُن کو دیا با دلِ مضطر
یہ سنتے ہی یاد آیا اُنہیں رتبۂ بوذر
پھر بُردِ یمانی سے چھپایا تنِ اطہر
کس شان سے پھر لاش اُٹھائی گئی اُن کی
تربت بھی اُسی وقت بنائی گئی اُن کی

(۳۵)

اے مومنو! تم نے یہ سُنا واقعہ سارا
شبیرؑ تو فرزندِ رسولِؐ دوسرا تھا
جس شان سے اُٹھا تھا ابوذرؓ کا جنازا
بے گور و کفن کس لئے لاشا رہا اُس کا
مٹی اُسے کیوں دینے نہ دی اہلِ جفا نے
دفنایا نہ کیوں اُمتِ محبوبِ خدا نے

(۳۶)

کاش اتنا ہی کرتے وہ جفاکارو ستمگر
بے رحم اوڑھا دیتے اُسے لاشۂ شہؑ پر
زینبؑ کے سرِ پاک سے چھینی تھی جو چادر
عریاں تو بیاباں میں نہ رہتا تنِ اطہر
سو ظلم تھے اِک فاطمہ زہراؑ کے پسر پر
سایہ بھی نہ تھا لاشِ شہِؑ تشنہ جگر پر

(۳۷)

دختر تھی نہ لاشے کے قریں اور نہ خواہر
سامان جو کچھ دفن کا ہوتا بھی تو کیونکر
اعدا کے سوا کوئی نہ تھا مونس و یاور
زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے ابدؑ مضطر
اشکوں سے نہ رخسار بھی دھو سکتے تھے مولا
مظلوم پدر کو بھی نہ رو سکتے تھے مولا

(۳۸)

اے مومنو! آئے تھے وہاں مالکِ اشترؒ
خود غسل دیا اس سے کہ پانی تھا میسر
سمجھے ہوئے تھے پہلے سے وہ رتبۂ بوذرؓ
سب دوست ابوذرؓ کے تھے دشمن نہ تھے واں پر
اِک لڑکی تھی بے مقنہ و چادر تو نہیں تھی
وہ مثلِ سکینہؑ کے کھلے سر تو نہیں تھی

(۳۹)

یاد آ گیا اب واقعہ پھر کرب و بلا کا
اِک شور وہاں فتح کے باجوں کا اُٹھا تھا
تھے خاک پہ بے جان شہؑ یثرب و بطحا
کوئی نہ وہاں تھا جو کسی شخص سے کہتا
اے یارو یہ دلبندِ رسولِؐ عربی ہے
بے گور و کفن لاش بیاباں میں پڑی ہے

(۴۰)

سیدانیاں بے مقنہ و چادر ہیں خبر لو
سجادؑ بھی دلبند پیمبرؐ ہیں خبر لو
کوئی نہیں بے مونس و یاور ہیں خبر لو
ہے طوقِ گراں اور وہ لاغر ہیں خبر لو
مجروح ہے دل رنج و الم اُٹھ نہیں سکتا
زنجیر کے لنگر سے قدم اُٹھ نہیں سکتا

(۴۱)

ہے کوئی محمدؐ سے صلا آج جو لے لے
امت نے محمدؐ کی کیے ظلم یہ کیسے
حق تم پہ بھی ہیں عترتِ محبوبِ خدا کے
کچھ چادریں ہوں پاس تو بھیجو اُنھیں لا کے
رانڈوں پہ ستمگاروں کی بیداد ہے یارو
زہراؑ کی قسم یہ دمِ امداد ہے یارو

(۴۲)

وہ سامنے جلتے ہیں جہاں خیمۂ شبیرؑ
وہ آگ لگی ہے وہ جفا کرتے ہیں بے پیر
وہ خاک اُڑاتی ہے جہاں زینبؑ دلگیر
وہ دیکھ چمکتے ہیں جہاں نیزہ و شمشیر
انجام میں راحت ہے یہ تکلیف اُٹھا لو
تم جا کے سکینہؑ کو طمانچوں سے بچا لو

(۴۳)

تھا کون جو لیتا خبرِ عترتِ حیدرؑ
کی برہنہ لاشِ شہِؑ دیں وائے مقدر
بدلے کفن و گور یہ تھا ظلم سراسر
لٹنے لگی پوشاکِ تنِ سبطِ پیمبرؐ
صدمے تھے محمدؐ کے جگر بند کی خاطر
بے دست کیا شہؑ کو کمر بند کی خاطر

(۴۴)

دستور ہے مردے کے لیے قبر ہو تیار
اب تاب نہیں حال میں کیونکر کروں اظہار
واں گھوڑوں کی نعلوں کو لگے باندھنے کفّار
وہ ظلم کیا شہؑ پہ ہلا گنبدِ دوّار
ہیہات کیا ظلم یہ آوارہ وطن پر
دوڑا دیا گھوڑوں کو تنِ شاہؑ زمن پر



بقیہ۔۔ کتاب شہید اعظم پر تبصرہ

یزید نے امام زین العابدینؑ یا جناب زینبؑ یا جناب سکینہؑ سے چاہے مصلحۃً کہا بھی ہو کہ مجھے نہایت افسوس ہے کہ ابن زیاد نے حسینؑ کو قتل کرڈالا مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی تاریخ نہیں بتلاسکتی کہ اس نے ابن زیاد کو بھی کوئی عتاب نامہ لکھا ہو کہ تم نے یہ کیا کیا؟ حسینؑ کو قتل کردیا؟

وہ لکھتا ہے جب کہ یہ حقیقت تھی کہ اس نے خود ابن زیاد کو مامور کیا تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ یزید کے حکم کے مطابق۔ اس کا اظہار خود ابن زیاد نے کیا ہے، اس وقت جب بعد ہلاکت یزید اس نے بصرہ سے فرار کیا ہے اور ایک شخص یساف لشکری اس کے ساتھ تھا اور ابن زیاد کچھ متفکر نظر آیا اور یساف نے کہا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے حسینؑ کو کس لئے قتل کیا؟ ابن زیاد نے کہا نہیں یہ تو میں نہیں سوچتا اس لئے کہ بادشاہ وقت کے مخالف تھے اور بادشاہ وقت نے مجھے حکم دیا کہ انہیں قتل کردوں۔ تو اگر یہ گناہ تھا تو بادشاہ کا میرا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ (ابن جریر)

گو یہ جواب ابن زیاد کا خود اس کے گناہ سے بچانے کے لئے ناکافی ہے مگر اس سے یہ تو ثابت ہے کہ جو کچھ ہوا تھا وہ یزید کے حکم سے۔۔۔۔۔۔۔۔ اور خود یزید کا عمل جس کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس کا گواہ ہے۔

(۷) اپنے مطلب کی باتوں میں بھی جہاں کوئی لفظ مصنف کو اپنے مطلب کے خلاف ملی ہے ترجمہ میں ادل بدل کر کے اسے ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً جناب سکینہؑ کی زبانی یزید کی تعریف میں ابن جریر نے یہ فقرہ درج کیا ہے۔ **مَا رَاَیْتُ رَجُلًا کَافِرًا بِاللّٰہِ خَیْرٌ مِنْ یَزِیْدِ۔**

بن معاویہ'' کافر باللہ کے صاف معنی ہیں منکر خدا اور مخالف اسلام۔ مگر یہاں امکانی طور پر یزید کی بارگاہ میں حق خدمت یوں ترجمہ کرکے ادا کیا گیا ہے:-

''میں نے کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا''۔

قرآنی اصطلاح میں صرف شاکر کے مقابلہ میں جب کافر کی لفظ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''ناشکرا'' ورنہ ہر جگہ کافر کے معنی غیر مومن اور غیر مسلم ہی کے ہوتے ہیں۔

والسلام

